شاہد حسین رزاقی

پیری مریدی سرسید کی نظر میں

سرسید احمد خاں کے زمانے میں ہندوستان کے مسلمان انتہائی زوال پذیر ہو گئے تھے۔ اور دینی اخلاقی، تعلیمی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ہر قسم کی خرابیوں اور پستیوں نے پوری قوم کی حالت اس قدر بگاڑ دی تھی کہ ان کی اصلاح کیے بغیر اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کا باقی رہ جانا ناممکن نظر آتا تھا۔ سرسید بڑے دور اندیش، حقیقت پسند اور عملی انسان تھے۔ انھوں نے آنے والے خطرات کا صحیح اندازہ کر لیا مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر جو برائیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی نوعیت اور اسباب معلوم کیے اور ان تمام خرابیوں کو دور کر کے اپنی قوم کے مستقبل کو بہتر بنانے کی عملی جد و جہد شروع کر دی۔

سرسید کی ان اصلاحی کوششوں میں مسلمانوں کی دینی و اخلاقی اصلاح کی خاص اہمیت تھی۔ کیونکہ مسلمانوں نے رفتہ رفتہ ایسے عقائد و نظریات اختیار کر لیے تھے جو درحقیقت اسلامی مقاصد کے خلاف تھے۔ مگر اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے اکثر مسلمان ان غیر اسلامی عقائد کو دین کے اہم اصول تصور کرتے تھے۔ ہندوستان کی دوسری قوموں کے عقائد و نظریات، رسوم و رواج اور توہمات سے ہندی مسلمان اس قدر متاثر ہوئے تھے اور ان کی زندگی میں غیر اسلامی اثرات اس حد تک سرایت کر گئے تھے کہ اس ملک میں اسلام کو خود مسلمانوں کے طرزِ عمل سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور سرسید اس حقیقت کو خوب محسوس کرتے تھے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بقا و تحفظ کے لیے ان خطرات کو دور کرنا لازمی ہے جو اسلام سے دوری اور غیر اسلامی اثرات کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔

تمام حالات پر غور کرنے کے بعد سرسید اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں کے دینی عقائد کو درست کرنے کی کوششیں اسی وقت کامیاب ہو سکیں گی جب کہ پیری مریدی کا مروجہ طریقہ ختم کر دیا جائے گا اور لوگ اس کی پیدا کردہ گمراہی اور نقصانات سے محفوظ ہو جائیں گے۔ سرسید نے اپنی قومی زندگی کے ابتدائی دور میں ہی پیری مریدی کے مروجہ طریقے کی برائیوں اور مضرتوں کو محسوس کر لیا تھا، اور مسلمانوں کو اس کی اصلاح پر متوجہ کرنے کے لیے ایک رسالہ "کلمۃ الحق" لکھا تھا جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۵۲ء میں انھوں نے "نمیقہ در مسئلہ تصور شیخ" شائع کیا۔ ان دونوں میں سرسید نے پیری مریدی کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ یہ ان کی اصلاحی سرگرمیوں کا ابتدائی دور تھا اور ان کی روش میں وہ شدت نہ تھی جو اس بارے میں آگے چل کر پیدا ہو گئی۔ تاہم انھوں نے پیری مریدی کے مروجہ طریقہ کی خرابیاں اور نقصانات بیان کر کے ان کی مخالفت کی تھی۔ سرسید اس بات کے مخالف نہ تھے کہ کوئی شخص اپنے پیر سے روحانی رہبری حاصل کرے بلکہ وہ انسان کی روحانی تربیت کے لیے اس چیز کو مفید سمجھتے تھے کہ کوئی شخص ایسے روحانی پیشوا سے فیض یاب ہو جو عالم و فاضل، متقی و پرہیزگار اور اعلیٰ اوصاف و کردار کا مالک ہو۔ لیکن نفس پرست، مکّار اور دھوکہ باز پیروں کے وہ شدید مخالف تھے اور اس زمانے کے پیر عموماً اسی قسم کے تھے۔

پیری مریدی کے کسی سلسلہ میں منسلک ہونے اور روحانی رہبری کو ایک قسم کا تجارتی کاروبار بنا لینے کو سرسید بہت ناپسند کرتے تھے اور پیر پر اس قسم کے اعتقاد کو گمراہ کن سمجھتے تھے کہ وہ صاحب کرامت ہے۔ اس کی دی ہوئی جڑی بوٹی اکسیر کا حکم رکھتی ہے اور مرنے کے بعد پیر ہی کام آئے گا۔ ایسے گمراہ کن خیالات کے بجائے سرسید یہ چاہتے تھے کہ لوگ اس بات پر پورا یقین رکھیں کہ قبر میں ہر شخص کے نیک اعمال ہی اس کے کام آئیں گے اور وہ اس دنیا میں اچھے کام کر کے ان کا اجر پائے گا۔ اسی طرح سرسید روحانیت بڑھانے کے ان متعدد طریقوں کے بھی مخالف تھے جو اس زمانے میں رائج تھے۔ وہ اس بات کے منکر نہ تھے کہ تصوف سے روحانیت میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن اس بات کے خلاف تھے کہ تصوف اور روحانیت کو جادوگروں جیسے کرتب دکھانے کا ذریعہ بنایا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اس قسم کے طریقوں

کی مخالفت کی کہ پیر اور مرید کے درمیان روحانی ربط قائم کرنے کے لیے تصور کی مشق کی جائے اور اس کو اتنا بڑھایا جائے کہ حالتِ مراقبہ میں مرید اپنے شیخ کو نظروں کے سامنے موجود پائے۔

پیری مریدی کے مروجہ طریقوں نے عوام کے عقائد میں جو خرابیاں پیدا کر دی تھیں ان کو دور کرنے اور عوام کو گمراہی سے بچانے کے لیے سرسید نے شریعت کو صحیح راستہ قرار دیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ بتلایا کہ ہمارے زمانے میں پیری مریدی کا ایسا ایک جھگڑا لگا ہے جس کے سبب ہزاروں آدمی دھوکے میں پڑے ہیں۔ جہاں ایک نئی صورت کا آدمی دیکھا کوئی تو اس کو قطب کہتا ہے اور کوئی ابدال اور کوئی ولی اور کوئی غوث اور پھر وہ کیسی ہی باتیں کرتا ہو اس پر کچھ خیال نہیں کرتے۔ اگر کوئی کہے کہ "میاں یہ تو شرع کے خلاف باتیں کرتا ہے" تو یوں جواب دیتے ہیں کہ "اجی تم نہیں جانتے طریقت کا اور ہی راستہ ہے۔ فقیروں کی باتیں ہی جدا ہیں۔ شریعت تو ظاہر کے لیے ہے۔ یہ ولی اللہ کے ہیں، جو کریں سو بجا ہے" فقیروں اور ولیوں کے بارے میں یہ خیال بالکل غلط اور گمراہ کن تھا اور اس کو دور کرنے کے لیے سرسید نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ:

"اللہ کی راہ نبی کی اطاعت کے بغیر ملتی ہی نہیں۔ جو ذرا بھی شریعت کی راہ سے بھٹکا وہی راہ بھولا۔ اگر کوئی آسمان پر اڑے اور زمین میں گھسے اور ایک بال بھی شریعت سے پھرا ہو وہ گمراہ ہے۔ ولی و ابدال، غوث اور قطب ہونا کچھ کرشمہ اور کرامات نہیں۔ بھوت اور پریت، دیو، جن، نٹ اور بھان متی بھی بہت سے شعبدے اور تماشے دکھاتے ہیں۔ ولی و ابدال، غوث و قطب وہی ہے جو پورا پورا شریعت پر چلے .... وہ راہ جس سے خدا ملتا ہے وہ رسول اللہ ہی کی سنت ہے۔ اور اس کے سوا سب راہیں شیطان کی ہیں۔ ہر مداری سدھاری کو تم پیر مت بناؤ اور اس کے کرشمے اور کرامات پر مت جاؤ۔ بلکہ جو شخص سنتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تابع ہو اسی کو ولی اور غوث اور قطب اور ابدال سمجھو گو اس سے ایک بھی کرامت نہ ہو۔ کیونکہ کرامت ہونا ولی ہونے کی نشانی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ کی سنت اور شریعت کا تابع ہونا ولی ہونے کی علامت ہے۔ ہم کو صرف محمد رسول اللہ کی سنت پر چلنے سے دونوں جہاں کی نعمت ملتی ہے۔ نہ کسی پیر کی حاجت نہ کسی فقیر کی اور نہ کسی نئے ذکر کی درکار اور نہ کسی نئے شغل کی جو ہمارے حضرت نے ہم کو بتلا دیا ہے وہی کافی ہے۔"

اس زمانے میں پیری مریدی کے طریقہ میں کس قدر خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور پیروں کی حالت کس قدر افسوس ناک تھی اس کا اظہار سر سید نے مختلف تحریروں اور تقریروں میں کیا ہے۔ اور اپنی ایک تحریر میں انھوں نے مشائخ و علماء کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کر کے ان کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس طبقہ کا کیا حال تھا اور سر سید ان لوگوں کے مخالف کیوں تھے۔ انھوں نے یہ کیفیت بڑے دلچسپ انداز میں یوں بیان کی ہے: "جس وقت کہ پیر صاحب یا مولوی صاحب کے گرد ان کے معتقدین کا حلقہ ہوتا ہے اور حجرِ اسود کی مانند ان کے دستِ مبارک کو بوسہ دینے کو لوگ دوڑتے ہیں تو ان کا دستِ مبارک یمین الرحمٰن سے بھی بالا دست ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب یا حضرت صاحب کی آوازہ کا چاروں طرف سے ان کے کان میں آنا جاؤ شانِ کسریٰ و کیقباد کی آواز سے بھی قوی اثر ان کے دل پر ڈالتا ہے مسکینی و انکسار ان کو آسمان پر چڑھائی جاتی ہے اس لیے وہ اور زیادہ مسکین اور منکسر ہوتے جاتے ہیں۔ سادہ وضعی پر لوگ فریفتہ ہوتے ہیں اس لیے وہ اور سادہ بنتے جاتے ہیں دنیا سے نفرت ان کو دنیا دلاتی ہے اس لیے وہ دنیا سے زیادہ نفرت کرتے جاتے ہیں۔ بے طمعی حاجت سے زیادہ بغیر محنت کے درہم و دینار دلا دیتی ہے اس لیے وہ زیادہ بے طمع ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی ہر ایک بات پر لوگ آمنا و صدقنا کہتے ہیں اس لیے ان کے دل میں دوسرے کی بات کی حقارت جمتی جاتی ہے۔ ہاتھوں کو چھواتے چھواتے ہر ایک مشکل کے حل کی دعائیں منگواتے منگواتے، ہر ایک مسئلہ کا فتویٰ دیتے دیتے ایک اور بیماری ان میں پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب برائی بھلائی، دوزخ و بہشت، کفر و ایمان کی کنجی وہ اپنے ہاتھ میں سمجھنے لگتے ہیں۔ کسی کو کافر بنا دیتے ہیں اور کسی کو مرتد۔ کسی کو جہنم دیتے ہیں اور کسی کو بہشت۔ کبھی خازنِ جنت ہیں اور کبھی مالکِ جہنم۔ دل میں خدا کے نور کے بھڑکنے کے خیال سے ظلمت پر ظلمت میں پڑتے جاتے ہیں۔ یہ تمام باتیں مل ملا کر حضرت کو ایک ایسا شخص بنا دیتی ہیں جو پھول پھلا کر کپا ہو جاتا ہے۔ نہ کان رہتے ہیں جو کچھ سنیں۔ نہ آنکھیں رہتی ہیں جو کچھ دیکھیں۔ نہ منہ رہتا ہے جو حق بات کہیں۔ جو سرور اور دلی آسائش اور دل کے پھولنے سے جو مزا اس فرقہ کو آتا ہے نہ کسی دنیا دار کو میسر ہوتا ہے، نہ کسی دولت مند

کو اور کسی صاحبِ تخت و سلطنت کو۔ وہ زبان سے اپنے تئیں گنہگار کہتا ہے مگر اس کا دل اس کو جھٹلاتا رہتا ہے۔ اس کہنے کو بھی وہ ایک نیکی اور تعلّی سمجھتا ہے۔ اپنی چال ڈھال شریعت کے موافق بناتا ہے مگر اس کا دل روز بروز سیاہ ہوتا جاتا ہے۔ ازار کے دو انگل نیچے ہوتے، داڑھی کے لمبی، یا یک مشت و دو انگشت ہونے، کپڑے کو نجاست سے پاک کرنے، پانی کے پاک ناپاک ہونے پر وہ دن رات بحث کرتا ہے۔ لمبے لمبے فتوے لکھتا ہے۔ مگر دل کو نجاستوں سے پاک کرنے کا خیال بھی نہیں کرتا۔ اکلِ حلال اور صدقِ مقال پر لمبے لمبے وعظ کہتا ہے مگر جب کوئی لقمۂ تر آجاوے تو جھٹ نگل جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اُگل دیتا ہے تو اس امید پر کہ اس سے بھی زیادہ لقمۂ تر بہ تر آوے گا۔"

پیری مریدی کے طریقے نے ایک اور بُرا اثر یہ ڈالا کہ پیروں نے اپنی بزرگی اور برتری جتانے کے لیے اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست غرض کہ پوری زندگی کو ایک ڈھکوسلا بنا لیا اور ان میں انتہائی رعونت پیدا ہوگئی جس کو سرسید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "جو وقت کہ حضرت کے باہر تشریف لانے کا ہے اس کے سوا اور وقت تشریف لانے ہی کے نہیں۔ اور جو وقت آپ کی بات کرنے کا ہے اس کے سوا بات کرنے ہی کے نہیں۔ جو دن کہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے جمع کرنے کا ہے اس دن کو ناغہ کرنے ہی کے نہیں۔ جب تک کہ جھک کر تسلیمات نہ کی جاوے اور قدم آنکھوں سے نہ لگائے جاویں حضرت کا مزاج خوش ہونے ہی کا نہیں۔ سلام علیک کا جواب زبان سے نکلنے ہی کا نہیں۔ قدم چومتے وقت سر پر ہاتھ پھیرنے کے سوا مصلحے کو کبھی ہاتھ اٹھنے ہی کا نہیں۔ اور جب تک کہ حضرت صاحب اور شاہ صاحب اور میاں صاحب اور مولوی صاحب کہہ کر بات نہ کی جاوے، تیوری کا بل اترنے ہی کا نہیں۔۔۔"

یہ پیروں کی حالت کا بالکل صحیح نقشہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں ایسے لوگ دین کے حامی و محافظ سمجھے جائیں اور جاہل عوام پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہو جائے اس معاشرہ کی حالت کس قدر خراب ہوگی۔ یوں تو اس زمانے میں معاشرہ کے ہر طبقہ کی حالت بہت خراب اور اصلاح کی محتاج تھی لیکن مذہبی طبقہ کا حال سب سے بُرا تھا۔ اس طبقہ کی گمراہی اور تباہ کاری نے سرسید کے احساس میں بڑی تلخی و شدت پیدا کر دی تھی، اور ان لوگوں کے متعلق انھوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ "کینہ و نخوت

اور اپنے تقدس و بزرگی اور خدا پرست ہونے کا گھمنڈ مقدس لوگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور اگر دنیا میں شیطان کو ڈھونڈتے پھرو تو بجز مقدسین کے جبہ و دستار مبارک کے اور کہیں پتہ نہ ملے گا۔"

پیروں اور مولویوں کا یہ گمراہ کن طبقہ عالم و فاضل ہونے کا دعویدار تھا اور مسلمانوں کی دینی تعلیم انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اسلام کے اصل مقاصد، اس کی صحیح تعلیمات اور اس کے بنیادی اصول کی حکمت سے یہ بالکل ناواقف تھے اور چند فرسودہ مباحث، غیر ضروری مسائل اور بالکل مہمل باتوں کو اپنے علم و فضل کے اظہار کا ذریعہ سمجھ کر ان کے متعلق وعظ کہتے اور جاہل عوام کی جہالت میں اضافہ کرتے تھے۔ سرسید مذہبی طبقہ کی اس حالت اور ان لوگوں کے دعووں کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان رساں سمجھتے تھے اس لیے ان کی شدید مخالفت کرنے لگے۔ ان کو اس بات کا رنج تھا کہ جو لوگ مذہب کے حامی اور محافظ ہونے کے دعویدار ہیں انہی لوگوں نے مذہب کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور اس کی صورت مسخ کر دی ہے۔ اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ "افسوس! صد افسوس!! ہمارے ہاں کے مولویوں نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو لغو اور مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے۔ اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اس کی تحقیقات کرے اور اس پر غور کیا جائے تو وہ اس کو کافر، لامذہب، مرتد اور عیسائی کہتے ہیں۔ میں خدا کا اور اس کے رسولؐ کا اور ان کے کلام کا دوست ہوں۔ مگر مولویوں کا دوست نہیں ہوں جو مثل یہودیوں اور عیسائیوں کے ان کو اربابًا من دون اللہ سمجھوں ۔ ۔ ۔ ۔ جس قدر میں مولویوں سے ناراض ہوں ایسا کسی سے ناراض نہیں۔ زندہ مولویوں اور بالتخصیص واعظوں کا تو جانی دشمن ہوں۔ اور گزشتہ مولویوں سے سوائے چند کے رنجیدہ ہوں۔ ان میں سوائے چند کے کسی کو لکھنے اور کتاب تصنیف کرنے اور کسی بات کی تحقیق کرنے کا مطلق سلیقہ نہ تھا۔ صرف جنگل میں سے بھلی اور بری، سوکھی اور گیلی لکڑیاں چننے والے تھے۔ خدا ان پر رحم کرے اور ان کی تقلید کرنے والے اندھوں کو خدا ہدایت کرے۔"

مولویوں اور واعظوں کی حالت درست کرنا ایک ضروری کام تھا لیکن سرسید کو اس طبقہ سے بڑی مایوسی تھی اور ان کا یہ خیال تھا کہ علماء کی اصلاح اگر ناممکن نہیں تو قریب قریب ناممکن کے

ہے۔ نفاق اور ضد اور تفوق ایک دوسرے پر۔ اور بعضوں کا دینداری کو ذریعۂ معاش بنانا اور تقلید میں ایسا غلو کرنا کہ شرک فی النبوۃ کی حد تک پہنچ گیا ہے اور ادنیٰ مسائل کے اختلاف میں ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنا اور رسول اللہ کے ارشاد کو چھوڑ دینا اور اخوتِ اسلامی جو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے بندھی ہوئی ہے اس کو توڑ دینا علمائے زمانہ کا دین ہو گیا ہے۔ جب یہ حال ہے تو خدا ہی ان کی اصلاح کرے تو ہو ورنہ ظاہر اسباب میں تو ہوتی ہوئی نہیں معلوم ہوتی۔" اس صورت میں کہ مولویوں کا یہ بُرا حال تھا اور ان کی اصلاح تقریباً ناممکن تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کو ان لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے محفوظ رکھنے کی یہی ایک صورت تھی کہ عوام پر مولویوں، ملاؤں اور واعظوں کا اثر ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور اسی مقصد کے لیے سر سید نے پیری مریدی اور دینی اجارہ داری کے خلاف اپنی مہم چلائی اور ایک بڑے طبقہ کو جو تعلیم یافتہ، قوم کا ہمدرد اور غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والا تھا اپنا ہم خیال بنا لیا۔

تاریخِ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی نے بی۔ اے آنرز کے نصاب میں شامل کی ہے۔

صفحات ۵۰۶۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ:

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور